

محبت چاندنی ہے

سپاس گل

پاکستانی پبلیکیشنز ڈاٹ کام

محبت چاندنی ہے

سباس گل

کتابی شکل: پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

پاکستانی پوائنٹ کوئی تجارتی ویب سائٹ نہیں ہے یہاں پر موجود تمام ناولز بالکل مفت ہیں۔ اس مشن کا مقصد صرف اردو ادب کی خدمت کرنا ہے تاکہ وہ لوگ جو وطن سے دور ہیں اور اردو کتب حاصل نہیں کر سکتے، وہ یہاں سے ڈاؤنلوڈ کر لیں۔ اگر آپ اردو لکھنا جانتے ہیں تو آپ بھی روز کا ایک صفحہ کمپوز کر کے اس مشن کا حصہ بن سکتے ہیں۔ مزید معلومات کے لئے، سپر موڈز: زندگی، بسمہ، حبیب یا مینجمنٹ وقار سے رابطہ کریں، شکریہ

محبت چاندنی ہے

سمیر! مہنیہ ہونے کو آیا، زاریہ ابھی تک میکے میں ہے، تم اسے لے کیوں نہیں آتے؟“ سلمیٰ آپا نے ٹی وی لاؤنج میں گم صم بیٹھے سمیر کو دیکھتے ہوئے کہا وہ ریموٹ کنٹرول ہاتھ میں لیے نیوز چینل دیکھتا ہوا اپنے آس پاس سے بے خبر تھا۔

”خود ہی آجائے گی۔“ وہ بے زاری سے بولا۔

”تمہارا بھی جواب نہیں ہے، سمیر! محبت کرنے والے شوہر کو تو بیوی کی ایک دن کی عدم موجودی بھی کھلتی ہے۔ تمہیں اس کی کمی محسوس نہیں ہوتی؟“

”جی ہاں ہوتی ہے کمی محسوس لیکن محبت کرنے والے شوہر کو...!“ سمیر نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ نظریں ٹی وی اسکرین پر جمی تھیں۔

”کیا مطلب ہے تمہارا تمہیں زاریہ سے محبت نہیں ہے کیا؟“

”تھی کبھی۔“ مختصر جواب آیا۔

”ارے تم نے تو زاریہ سے محبت کی شادی کی تھی۔ والدین کی پسند کو ٹھکرا کر اس کو اپنایا تھا۔ یہ یکایک کیا ہو گیا۔ وہ تمہارے دل سے ہی اُتر گئی؟“ سلمیٰ آپا کو گہری تشویش نے آگھیرا تھا۔

”پتا نہیں، مگر مجھے اس کی یاد ہی نہیں آرہی کوئی تڑپ۔ میرا احاطہ کیسے ہوئے نہیں ہے۔ تو اس کا مطلب یہی ہوا نا کہ مجھے اس سے محبت نہیں رہی؟“ سمیر نے اسی بے تاثر اور سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

”بھیا! یہ کیسی محبت تھی جو چار دن میں ختم ہو گئی محبت تو چاندنی ہے۔“ سلمیٰ آپا حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھیں۔

”ہاں، چار دن کی چاندنی۔ پھر اندھیری رات۔“

”یہ تم کیسی باتیں کر رہے ہو؟ تمہارا زاریہ سے کسی بات پر جھگڑا ہوا ہے کیا؟“

”نہیں۔“

”تو کیا وہ تم سے ناراض ہو کر میکے گئی ہے؟“

”نہیں۔“

”آخر ہوا کیا ہے جو تم اس سے اس قدر بے نیاز اور بے پروا ہوئے بیٹھے ہو؟“ سلمیٰ آپا کی الجھن اور پریشانی میں اضافہ ہوا۔

اور انہیں پریشانی ہوتی کیوں نہ۔ ان کا سب سے چھوٹا اور لاڈلا بھائی تھا سمیر۔

”پتا نہیں، مجھے لگتا ہے جیسے میں اندر سے خالی سا ہو گیا ہوں۔ میرے جذبات کی حرارت اور گرم جوشی ماند پڑ گئی ہے۔ کوئی لطیف احساس میرے دل میں کسمساتا ہے۔ نہ گد گداتا ہے۔“

”زندگی ٹھہر سی گئی ہے۔ ہر منظر بے رنگ لگنے لگا ہے۔ میرے اندر گہرا سناٹا سرایت کر گیا ہے۔ چُپ سی لگ گئی ہے میرے جذبول کو۔ خاموشی کا آسیب میرے چاروں اور پھیل گیا ہے۔ سکوت سا طاری

ہو گیا ہے روح کے اندر۔ موت کی سی خاموشی نے مجھے اپنے شکنجے میں جکڑ لیا ہے۔ جسم میں کہیں درد کی لہر سی اٹھتی ہے۔ کوئی ٹیس اٹھتی ہے تو مجھے لگتا ہے کہ میں زندہ ہوں ورنہ تو مجھے اپنے زندہ ہونے کا بھی یقین اور احساس نہیں رہا۔“ سمیر کا دکھ بھرا اور زندگی سے بے زار لہجہ سلمیٰ آپا کے ہوش اڑا رہا تھا۔

”یا اللہ! خیر، ایسا کیا ہو گیا؟“ سلمیٰ آپا اللہ سے خیر مانگ رہی تھیں۔ پھر سمیر کی مَر جھائی مَر جھائی جُجھی جُجھی سی صورت دیکھ کر کہنے لگیں۔

”سمیر! مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ میں تمہیں کسی ڈاکٹر کے پاس لے چلتی ہوں، چلو اٹھو۔“

”مجھے کسی ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہے۔“

”مگر تمہیں کسی ماہر نفسیات کی ضرورت یقیناً ہے۔“

”آپا! آپ کو لگتا ہے کہ میں پاگل ہو گیا ہوں؟“ سمیر نے انہیں خائف نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”ماہر نفسیات کے پاس چیک اپ کے لیے جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ پاگل ہیں۔ نفساتی مسائل تو آج کل ہر کسی کے ساتھ ہیں۔ آج کے اس ٹیشن اور گھٹن زدہ ماحول کے سبب، غیر محفوظ حالات، غربت، بے روزگاری جیسے حالات میں ہر کوئی کسی نہ کسی نفسیاتی مسئلے کا شکار ہے۔“ سلمیٰ آپا نے اسے قائل کرنے کے لیے دلائل پیش کیے تو وہ سنجیدگی سے بولا۔

”یہ سب ٹھیک ہے لیکن میں کسی ماہر نفسیات کے پاس نہیں جاؤں گا۔“
”تو پھر زاریہ کو واپس گھر لے آؤ۔ وہی تمہارے مسئلے سلجھائے گی مجھ سے تمہاری یہ حالت نہیں دیکھی جا رہی۔“

”وہ خود ہی آجائے گی۔“ اس کے لہجے کی لا تعلقی ہنوز برقرار رہی۔

”کیسے خود آجائے گی؟“ سلمیٰ آپا نے جرح کی تو وہ کسمسا کر نظریں چرا گیا۔
مگر خاموش رہا۔

”بیوی ہے وہ تمہاری جس سے تم نے بڑے ارمانوں اور چاؤ سے شادی کی تھی۔ جس کی ایک پل کی جدائی تمہارے لیے سوہان روح تھی۔ اب تم اس سے اس قدر لا تعلق ہو گئے ہو کہ ایک ماہ سے وہ اپنے میکے میں ہے اور تم بے نیازی اور لا تعلقی کی بکل مارے یہاں بیٹھے ہو۔“

”کہنا نا آپا! ہر جذبہ، ہر احساس مر سا گیا ہے۔ اس کے قرب کی خواہش ہی نہیں جاگتی۔“ وہ ٹھنڈے لہجے میں بولا۔

”کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ میں زاریہ کو فون کر کے بتاتی ہوں۔ وہ خود ہی آکر تمہیں سنبھالے گی۔“

”وہ مجھے سنبھالنے سے پہلے خود ٹوٹ جائے گی۔“ وجیہ و تشکیل سمیر نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا تو سلمیٰ آپا کے دل پر برچھی سی لگی تھی۔ بے ساختہ تڑپ کر بولیں۔

”اللہ نہ کرے، منہ سے اچھی بات نکالو۔“

”آپا! زندگی میں انسان کو سب کچھ نہیں ملتا۔ کہیں نہ کہیں اسے سمجھوتا کرنا پڑتا ہے، ہارنا پڑتا ہے۔ من کو مارنا پڑتا ہے۔ انسان کو سب کچھ مل جائے تو زندگی کتنی آسان اور شادمان گزرا کرے۔ ہے نا آپا؟“

سمیر نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہتے ہوئے آخر میں سلمیٰ آپا سے اپنی بات کی تائید چاہی۔

”ہاں چندا! یہ تو زندگی کا چلن ہے اور ہم کون سے برائیوں سے مبرا، فرشتے ہیں کہ ہم کو سب کچھ مل جائے۔ کوئی کمی ہماری زندگی میں نہ ہو۔ کوئی تشنگی نہ رہے، یہ تو اللہ کی تقسیم ہے۔ اس نے جو کچھ ہمیں دیا ہے بہت سے انسانوں کو نہیں دیا اور جو دوسروں کو دیا ہے۔ اس میں کچھ ہمارے حصے میں نہیں رکھا

اور کیوں نہیں رکھا؟ یہ اللہ کی حکمتیں ہیں وہی جانے اسی کے راز۔ پھر بھی ہمیں اللہ کا احسان ماننا چاہیے اس کا کروڑہا شکر ادا کرنا چاہیے۔ کہ اس نے ہمیں اپنی نعمتوں اور رحمتوں سے نوازا ہے۔ ہم دنیا کے ان کروڑوں انسانوں میں شامل ہیں۔ جو اللہ کی نعمتوں کا لطف اٹھا رہے ہیں۔ اللہ نے ہمیں ایک مکمل انسان پیدا کیا ہے۔ ہر عضو جسمانی سے نوازا ہے ضروریات زندگی کی

ہر نعمت سے نوازا ہے۔ ہمارا شمار ان لوگوں میں نہیں ہوتا جن کو یہ نعمتیں میسر نہیں ہیں۔ کتنے انسان ہیں جنہیں پیٹ بھرنے کو ایک وقت کا کھانا میسر نہیں ہے۔ صاف پانی نہیں ہے۔ سر پر چھت ہے نہ تن پر ڈھنگ کی پوشاک، کتنے چھید ہیں ان کی پوشاک کی طرح ان کی زندگی میں... چھوٹی سی خوشی بھی جنہیں دکھ کی چادر میں لپٹی ہوئی ملتی ہے۔ ایک ہم ہیں سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ناشکرے کے ناشکرے ہیں۔ ارے کیا ہوا اگر زندگی میں ایک آدھ چیز کی کمی ہو گئی اور جو سینکڑوں نعمتیں اللہ نے ہمیں دی ہیں کبھی ان کا بھی شکر ادا کیا ہے ہم نے۔ جو نہیں دی اس کا شکوہ اور ذکر بار بار کرتے ہیں اور اسے اپنی بد قسمتی سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کا ذکر تو شکر کے ساتھ کرنا چاہیے نا۔ کفر کرنا بہت آسان ہے میرے بھائی اس کی نعمتوں سے مفر تو فوراً کر لیتے ہیں لوگ مگر شکر اور صبر کا رستا بڑا کھٹن مگر اطمینان بخش ہے۔ جو اس نے دیا وہ بھی اسی کا ہے جو نہیں دیا وہ بھی اسی کا۔ وہ مالک ہے ہمارا۔ وہ جو چاہے سو دے جو چاہے نہ دے۔ ہم کون ہوتے ہیں اس سے سوال جواب کرنے والے کہ اسے تو دے دیا مجھے کیوں نہیں دیا؟ وہ تو بس پانچ وقت کی

حاضری چاہتا ہے اپنے دربار میں اور ہم سے وہ بھی نہیں دی جاتی۔ تو پھر کس برتے اور کس بنیاد پر ہم اس سے شکوہ کرتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟ اس کی (اللہ) مصلحتیں، حکمتیں وہی جانے سو جو ملا ہے اسی پر راضی بہ رضا رہنا سیکھو۔ اللہ کا شکر ادا کرو اور خوشی سے جیتو۔“ آپا نے تفصیلی جواب دیتے ہوئے اسے تائید طلب نظروں سے دیکھا تھا۔

”ہاں آپ کا لفظ لفظ سچائی پر مبنی ہے۔“ سمیر نے سلمیٰ آپا کا مفصل جواب سننے کے بعد قائل ہوتے ہوئے کہا۔

”تو اٹھو اور زاریہ کو گھر لانے کی تیاری کرو۔ مہینہ ہو گیا اسے میکے میں رہتے ہوئے۔“

”ابھی نہیں آپا! دو چار دن بعد جاؤں گا۔ ابھی سنبھالوں خود کو اسے کہنے کا حوصلہ اور جرأت اپنے اندر پیدا کر لوں پھر جاؤں گا اسے لینے۔“ سمیر نے سنجیدگی سے کہا اور گہرا سانس لبوں سے خارج کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ تو آپا چونک اٹھیں۔

”ارے ایسا کیا کہنا ہے جو حوصلہ اور جرأت چاہیے۔ آئی لو یو، تو تم نے اسے کہہ دیا تھا۔ اب کیا بچا کہنے کو؟“ سلمیٰ آپا نے حیرانی سے اسے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

”آپا! آئی لو یو کے بعد ہی تو اصل زندگی شروع ہوتی ہے۔ مجھے تم سے محبت ہے۔ کہنے کے بعد محبت کا امتحان شروع ہوتا ہے۔ چاہت اور محبت کے دعوے اور وعدے پہلے ہوتے ہیں اور ان کی آزمائش بعد میں ہوتی ہے۔ محبت بڑے کڑے امتحان لیتی ہے آپا! ایسے ہی تو لوگ مجنوں اور فرہاد نہیں بن جاتے۔ یونہی کوئی منصور سولی پر نہیں چڑھ جاتا۔ خوا مخواہ تو سوہنی کچے گھرے پر دریا پار کرنے نہیں چل پڑتی۔ محبت ہونے کی دیر ہے۔ بس پھر کھونے کے خدشے خود بخود سر اٹھانے لگتے ہیں۔“ سمیر نے نہایت گہرے اور رنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔

”توبہ ہے سمیر! تم نے تو میرا دماغ بلا کے رکھ دیا ہے۔ کیسی خوف ناک باتیں کر رہے ہو۔ میں تمہارے لیے جو س بنا کر لاتی ہوں اسے پی کر شاید تمہارا دماغ ٹھکانے پر آجائے۔“

سلمیٰ آپا نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگا کر جھر جھری سی لیتے ہوئے کہا اور کچن کی طرف چلی گئی۔ سمیر کے لبوں پر افسردہ سی مسکان بکھر گئی۔

...☆☆☆...

زاریہ اور سمیر یونیورسٹی میں ساتھ پڑھتے تھے۔ زاریہ کا تعلق متوسط طبقے سے تھا۔ تین بہنیں دو بھائی اور ماں باپ سات مرلے کا گھر تھا ان کا۔ بہنوں میں وہ سب سے چھوٹی تھی۔ بھائی ایک اس سے چھوٹا تھا۔ زاریہ سے بڑی بہن ساریہ تھی۔ سب سے بڑی ماریہ آپنی تھیں جن کی شادی ان کے ماموں کے بیٹے وحید سے ہوئی تھی۔ وحید ان کے ماموں کی اکلوتی اولاد تھا۔ اس لیے اس کے والدین پوتوں سے بھرا گھر دیکھنے کے آرزو مند تھے اور وحید بھی ان کا ہم خیال تھا۔ اللہ نے انہیں تین بیٹوں اور دو بیٹیوں سے نوازا تھا۔ پھر بھی وہ شاکر نہ تھے۔ انہیں دو بیٹے اور درکار تھے۔ بیٹیوں کی پیدائش کی انہیں کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی کیونکہ وحید ان مردوں میں تھے جنہیں بہن، بیٹی کے رشتے کا کوئی احساس ہی نہیں تھا۔ ماریہ آپنی کی صحت بہت گر چکی تھی۔ سمیر اور زاریہ ایک

دوسرے سے محبت کرتے تھے اور سمیر نے اپنے والدین کو زاریہ کے لیے آمادہ کر ہی لیا تھا۔

دونوں کی شادی بہت دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ زاریہ کے خاندان والے تو حسد کی آگ میں جلتے رہ گئے تھے کہ زاریہ کی شادی اتنے امیر بزنس مین کے بیٹے سے ہو گئی تھی اور وہ دونوں ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہے تھے۔

آج اتوار تھا اور سمیر نے زاریہ کو گھر لانے کے لیے ہمت کر ہی لی تھی۔ زاریہ کو فون کر کے بتا دیا تھا کہ وہ اسے لینے آرہا ہے۔ زاریہ نے اسی وقت اپنا سامان پیک کر لیا تھا اور نہا کر بہت اہتمام سے تیار بھی ہو گئی تھی۔ زاریہ کی امی اور بھابیوں نے دوپہر کے کھانے پر خاصا اہتمام کیا تھا۔ ماریہ اپنی بھی میکے آئی ہوئی تھیں۔ اس بار ان کے ہاں جڑواں بچوں کی پیدائش ہوئی تھی۔ ایک بیٹا اور ایک بیٹی دونوں بہت خوب صورت اور ماشاء اللہ صحت مند تھے۔ ماریہ اپنی البتہ مرتے مرتے بچی تھیں۔ یہ ان کا تیسرا میجر آپریشن تھا۔ ہر بار ڈیلیوری کا خرچا میکے والوں کو برداشت کرنا پڑتا۔

وحید کی تنخواہ اٹھارہ ہزار تھی اور کچھ ان کے سرسرمجید کی پنشن آجاتی تھی۔ مہینے کے آخری دس بارہ دن انتہائی تنگی میں گزرتے تھے۔ کل نو افراد تھے ان کے تمام اخراجات اور گھر کے دیگر اخراجات اسکول کی فیس۔ علیحدہ تھی۔ ایسے میں ہر سال ایک بچے کا اضافہ ان کی معاشی بد حالی میں اہم رول ادا کر رہا تھا۔ ماریہ اپنی کی صحت بھی خراب رہنے لگی تھی۔ اس بار وحید انہیں میکے چھوڑنے آئے تو زاریہ نے انہیں بڑے طریقے سے آئینہ دکھایا تھا۔

”آپ دو بچوں کو تو صحیح تعلیم و تربیت دے نہیں سکتے اور ہر سال ایک بچے کی آمد پر آپ کی حالت دیکھی ہے آپ نے؟ ڈاکٹر نے کہہ دیا ہے کہ ماں کو زندہ دیکھنا ہے تو اب بس کریں۔ خدا نخواستہ اگر ماریہ اپنی کو کچھ ہو گیا تو کون سنبھالے گا آپ کے بچے اور کیا میکے والوں نے ٹھیکالے رکھا ہے آپ کے بچے کی سزا بھگتنے کا؟ جب آپ افورڈ ہی نہیں کر سکتے تو کیوں نہیں اپنے والدین کو سمجھاتے؟ اللہ نے بچا رکھا ہے آپ نے تو انہیں بہشتی بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔“

وحید تمللا کے رہ گئے تھے۔ کچھ کہنے کی جرأت بھی نہ کر سکے۔ البتہ زاریہ کی باتیں انہیں آئینہ دکھا گئی تھیں۔ حقائق سے نظریں چرانا، اب ان کے لیے بھی ممکن نہیں تھا۔ وہ تو اب مزید بچوں کی آمد اور اخراجات سے ہی گھبرا رہے تھے۔ بڑھتی ہوئی مہنگائی اور بچوں کی کثیر تعداد ان کے مسائل بھی بڑھا رہی تھی۔ ماریہ آپنی تو بہت کمزور ہو گئی تھیں۔ سچ تو کہا تھا زاریہ نے۔ اگر ماریہ کو کچھ ہو جاتا تو... زاریہ کی باتوں نے ان کی سوچ کے نئے در کھول دیے تھے۔ وہ خاموشی سے واپس چلے گئے۔ سمیر نے بھی بچوں کو دیکھ کر پیار کیا اور ہزار ہزار کے نوٹ ان کے نو زائیدہ بچوں کی مٹھیوں میں دے دیے تھے۔

”اب چلیں۔“ کھانے سے فراغت کے بعد سمیر نے زاریہ سے کہا۔

”جی میں اپنا سامان لے کر آتی ہوں۔“ زاریہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ سمیر بھی اس کے پیچھے ہی چلا آیا۔ زاریہ نے اسے محبت سے مسکراتے ہوئے دیکھا وہ بھی اسی کو دیکھ رہا تھا۔ چمپئی رنگت

والی، دل کش نین نقش کی مالک زاریہ سچی سنوری اس کے دل میں اُترتی جا رہی تھی۔ سوتے ہوئے جذبے پھر سے انگڑائی لے رہے تھے۔

”سمیر میں تیار ہوں گھر چلیں۔“

”ہوں۔ ایک منٹ پہلے میری بات سن لو۔ اس کے بعد فیصلہ کرنا کہ تمہیں میرے ساتھ گھر جانا ہے یا نہیں؟“

”میں سمجھی نہیں؟ یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں؟“

”بیٹھو سمجھاتا ہوں۔“ سمیر نے اسے کندھوں سے پکڑ کر بیڈ پر بٹھا دیا اور خود بھی اس کے برابر بیٹھ گیا۔

”کیا بات ہے سمیر کہیے نا۔“ وہ پریشان ہو گئی تھی۔

”زاریہ، ہماری میڈیکل رپورٹس آگئی ہیں۔“

”اوہ ریلی میں تو یہاں آ کے بھول ہی گئی تھی۔ کہ میں نے آنے سے پہلے اپنا

چیک اپ اور کچھ ٹیسٹ کروائے تھے۔ کیا لکھا ہے میری رپورٹس میں؟“

زاریہ اس کی بات سنتے ہی نان اسٹاپ بولتی چلی گئی۔

”الحمد للہ، تمہاری رپورٹس بالکل ٹھیک ہیں۔“

”شکر الحمد للہ، یہ تو خوشی کی بات ہے پھر آپ کیوں پریشان ہیں؟“ زاریہ نے اس کے چہرے پر پھیلی افسردگی کو دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

”کیونکہ میری رپورٹس ٹھیک نہیں ہیں۔“

”کیا؟“

”ہاں، میں پیدائشی طور پر باپ بننے کی صلاحیت سے محروم ہوں۔“

”یہ... آ... پ کیا کہہ رہے ہیں؟“

زاریہ کے اعصاب پر جیسے ایٹم بم پھٹا تھا۔ لمحے بھر کو تو وہ بکھر کر رہ گئی تھی۔ اسے اب سلمیٰ آپا کی باتیں یاد آرہی تھیں جو انہوں نے اسے کل فون کر کے بتائی تھیں اور سمیر کی حالت کے بارے میں بتایا تھا۔ اب وہ سمجھی تھی کہ سمیر اتنے پریشان اور افسردہ کیوں ہیں۔ یہ صدمہ انہیں اندر ہی اندر کھا رہا تھا۔

”ہاں زاریہ! میری بیوی ہوتے ہوئے تم عمر بھر ماں نہیں بن سکتیں۔ اس لیے اگر تم چاہو تو میں تمہیں اس بندھن سے آزاد کر...!“

”سمیر! آپ نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا؟“

زاریہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے تڑپ کر سوال کیا۔

”زاریہ! میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ اس لیے خود غرض ہو کر نہیں سوچنا چاہتا۔ میں جانتا ہوں کہ اولاد سے ایک عورت مکمل ہوتی ہے۔ تم چند سال تو میری محبت میں اولاد کے بغیر گزار لوگی لیکن بالآخر ایک دن تمہیں اولاد کی کمی شدت سے محسوس ہونے لگے گی اور تمہاری مجھ سے محبت کم ہو جائے گی۔ میں ساری زندگی تمہارے سامنے سر جھکائے مجرموں کی طرح نہیں رہ سکتا۔ تم مجھ سے بے زار ہو جاؤ، نفرت کرنے لگو، یہ نہیں سہہ سکوں گا۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تم...!“

”آپ اکیلے کیسے کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں سمیر!“

زاریہ نے اسے کھڑا ہوتے دیکھ کر اس کے مقابل آکر سوال کیا۔

”زاریہ...!“ اس نے دل پر جبر کر کے بولنا چاہا۔

”سمیر! محبت تو ہم دونوں نے کی ہے پھر فیصلے کا حق صرف آپ کیوں استعمال کریں؟ آپ یہ سب کر کے اپنی محبت کے سامنے سر خرو ہونا چاہتے ہیں اور مجھے کیا سمجھا آپ نے کہ میں آپ کے اس فیصلے کو قبول کر لوں گی؟“

آپ کے بغیر جینے کا حوصلہ کر لوں گی؟ نہیں سمیر! ایسا ہونا ممکن نہیں ہے...! مجھے آپ پر اور آپ کی محبت پر فخر ہے۔ مجھے ساری عمر آپ کے ساتھ مسز زاریہ سمیر بن کر ہی جینا ہے۔ آپ نے مجھے سچائی سے آگاہ کیا ہے اس سے میرے دل میں آپ کی محبت اور بڑھ گئی ہے۔ بس اب گھر چلیں میں اپنا گھر بہت مس کر رہی ہوں۔“ زاریہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا تو وہ بولا۔

لیکن زارا...! تب وہ اس کا مطلب فوراً سمجھ گئی۔

”ارے ماریہ آپنی کے بچے کس دن کام آئیں گے؟“

”مطلب...؟“

مطلب یہ کہ وحید بھائی کے دو بچوں میں سے ایک بچہ ہم اڈاپٹ کر لیں گے۔“ وہ آسانی سے کہہ گئی تو سمیر اسے دیکھتا رہ گیا۔ تب اس نے مزید کہا۔ ”وحید بھائی کو اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا ہے۔ اس بڑھتی ہوئی مہنگائی میں بڑا کنبہ۔ بیٹوں کی خواہش میں اولاد کا ڈھیر لگا دینا ایک طرح سے سب پر ظلم ہے۔ وحید بھائی نے اپنے والدین کو سمجھالیا ہے اور ان کی جانب سے

پوری اجازت ہے کہ ایک بچہ کسی بے اولاد کو دے دیا جائے اور ہم سے بڑھ کر اب اور کون مستحق ہو سکتا ہے۔“

زاریہ بولتی چلی گئی۔ اب کے لہجے اور چہرے سے جھلکتی خوشی اور جوش دیکھ کر سمیر بھی ہلکا پھلکا ہو گیا اور ہنس پڑا۔

”مجھے یقین ہے اللہ تعالیٰ نے یہ بچے ہمارے لیے ہی اس دنیا میں بھیجے ہیں۔“

”بس تو پھر چلیں اس طرح ماریہ آپنی کی پریشانی بھی دور ہو جائے گی اور ہمیں اپنی بہن کے بچوں سے بڑھ کر کوئی مل سکتا ہے کیا۔ ان بچوں کو اچھی تعلیم و تربیت ماں باپ کا پیار مل جائے گا اور ہمیں بھی اولاد کی نعمت مل جائے گی ہے نا۔“

زاریہ نے اس کا بازو پکڑے پکڑے خوشی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں الحمد للہ۔“ وہ خوش دلی سے ہنس پڑا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ماریہ آپنی کے بچوں کو گود میں لیے اپنی گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔ زاریہ نے سب سے یہ جھوٹ بول کر کہ وہ ماں نہیں بن سکے گی سمیر کو سب کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچالیا تھا۔ سمیر نے محبت سے اسے دیکھا

اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس کی محبت اتنی عظیم تھی واقعی چاندنی کی طرح اجلی اور روشن تھی اور اس نے بیٹے کے بجائے بیٹی کو فوقیت دی تھی۔ ماریہ آپنی شکر سے مسکرائی تھی۔ گھر واپس لوٹتے ہوئے وہ دونوں بہت خوش تھے۔

”زاریہ! ہم گھر میں کیا کہیں گے؟“ سمیر نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے پوچھا۔

اس کا اشارہ بچوں کی طرف تھا۔

”سر پرائز!“ زاریہ نے اس انداز سے کہا کہ وہ ہنس پڑا۔

”ہاں یہ تو سوائے آپا کے کسی کو معلوم نہیں ہوگا۔ اچھا ہی ہونا کہ ممی ڈیڈی سب ایک سال سے لندن میں ہیں۔“

”جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے۔“

”ہوں۔“ سمیر نے بچی کو پیار سے دیکھا تھا۔ بچی زاریہ کی گود میں سو رہی تھی۔

”گھر پہنچتے ہی ہم امل کے لیے ڈھیر ساری شاپنگ کریں گے۔“ زاریہ نے ایک دم بچی کا نام بھی رکھ لیا اور خوشی سے پُرجے میں کہا تو سمیر نے چونک کر اسے دیکھا۔

”امل؟“

”ہوں، ہماری بیٹی۔“

”اوہ! اچھا نام ہے۔“

اس نے لمبی سے ”او“ کے بعد ہنس کر کہا۔

”مبارک ہو آج سے ہم بھی ماما پاپا بن گئے ہیں۔“

”تمہیں بھی مبارک ہو مبارک ہو زاریہ اور...!“

”اور کیا؟“ اس کے ادھورے جملے پر وہ متحس ہوئی۔

”آئی لو یو سو مچ۔“ سمیر نے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے دل

سے کہا۔ تو وہ شرمیلے پن سے مسکراتے ہوئے بولی۔

”لو یو ٹو۔“

”اچھا جی۔“ سمیر شرارت سے اس کے چہرے پر جھکا۔

”ہاں جی ذرا دھیان سامنے رکھیں سمجھے؟“ زاریہ نے شرماتے ہوئے اسے ہاتھ

سے پرے کیا۔

”اوکے مادام! جو آپ کا حکم۔“

سمیر کے کہنے پر وہ بے ساختہ ہنس پڑی۔ سمیر نے بھی ہنستے مسکراتے گاڑی کا
رخ گھر کی جانب موڑ دیا۔

محبت چاندنی ہے

جو تاریک راتوں میں

ہمیں رستا دکھاتی ہے

دلوں میں جگمگاتی ہے

لہو میں گنگناتی ہے

بہت بے آس لوگوں کو امیدیں دلاتی ہے

دکھوں اور الجھنوں کو یہ

جیون سے بھگاتی ہے

محبت چاندنی ہے

اور

چاندنی جگمگاتی ہے

ہمیشہ جگمگاتی ہے۔

خدمتِ اللہ